امریکہ میں اسلام کا مستقبل

ڈاکٹر عصام العریان
ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے سانحے کے بعد ایک اہم سوال یہ اُبھرا ہے کہ خود امریکہ میں اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ مغرب اور عالم اسلام کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی؟ ڈاکٹر جیفری لانگ کی کتاب کا عربی ترجمہ ''مستقبل الاسلام فی امریکا'' کے نام سے جنوری ۲۰۰۲ء میں قاہرہ سے شائع ہوا ہے (انگریزی سے عربی ترجمہ ڈاکٹر زین نجاتی نے کیا ہے)۔ موصوف ایک سفید فام امریکی مذہبی کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کئی سال تک ملحدانہ زندگی گزارنے کے بعد ۸۰ کے عشرے کی ابتدا میں ۲۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ امریکہ کی کنساس یونی ورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر ہیں۔

دیباچہ جرمن مسلم سفارت کار ڈاکٹر مراد ہوف مین کے قلم سے ہے۔ ان کی رائے میں اس کتاب میں' امریکہ میں اور امریکہ سے باہر' مسلمانوں کی ان کوتاہیوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ ○ امریکی معاشرے میں رائج ثقافت کو درست طور پر نہ سمجھنا۔ ○ اسلامی مکاتب فکر میں عدمِ رواداری۔ ○ عربی معاشرے کی خصوصیات کو برتر قرار دینا' حالانکہ ان کی اہمیت دینی نہیں مقامی ہے۔ عورت کے بارے میں مسلمانوں کا غیرقرآنی رویہ' مسجدوں میں عورتوں کی آمد سے ناخوش ہونا۔ ○ مسلمان کے طور پر زندگی بسر کرنے کے اسلوب میں غیرضروری اور ذیلی و ثانوی چیزوں کو اہمیت دینا اور سنت رسولؐ کے اخلاقی و روحانی پہلوؤں کی پیروی کا اہتمام نہ کرنا۔ ○ نومسلم اہل مغرب کے بارے میں نسلی مسلمانوں کا عدمِ اعتماد کا تقلیدی رویہ۔

کتاب کا بنیادی مقصد' مؤلف کا اپنی بچیوں کو حقائق ایمان سے آگاہ کرنا ہے تاکہ امریکی معاشرے میں' اسلام پر قائم رہنے میں ان کی مدد کی جاسکے۔ امریکی الاصل نومسلموں کے لیے امریکہ میں رہ کر اسلام پر باقی رہنا بہت مشکل ہے۔ مؤلف نے دو امریکی نومسلموں اور ان کے خاندانوں کی داستانِ عبرت بیان کی ہے جو ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ایک نے بودھ مت میں پناہ لی اور دوسرے نے الحاد کا راستہ اختیار کیا۔

شہوات' خواہشات اور لذات کی دنیا میں بسنے والوں کا عقیدۂ اسلام پر جمے رہنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کتاب کا موضوع بحث یہی ہے کہ امریکہ میں اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ اس مسئلے کا تعلق دوسری اور تیسری نسلوں سے ہے کہ وہ ایک طرف اسلام کے دامن کو بھی تھامے رکھیں اور دوسری طرف امریکہ میں اپنی پیدایش' وراثتی صفات و خصوصیات' سماجی عادات اور امریکی ثقافت کے تقاضوں سے بھی اپنا تعلق جوڑے رکھیں۔ جہاں تک امریکہ میں بسنے والے غیر امریکی نژاد مسلمان نسلوں کا تعلق ہے خواہ یہ تارکینِ وطن ہوں یا آج سے بہت پہلے اسلام قبول کرنے والے--- ان کے حالات بالکل الگ نوعیت کے ہیں۔

پہلے باب میں ایک ۴۰ سالہ امریکی مسلمان کی آہِ دل دوز کا ذکر ہے جو بڑے دکھ اور کرب سے کہتا ہے: میں نے اپنا بیٹا کھو دیا! یہ نوجوان ۱۶ سال کا ہوا تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دوسری نسل کے امریکی مسلمانوں میں یہ المیہ بار بار رونما ہوتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے نکل جاتے ہیں' مرتد ہو جاتے ہیں۔

دوسرے باب میں وحی اور اس کی عالم گیریت پر قرآنی آیات کے طویل اقتباسات دیے گئے ہیں۔ وحی مقامی زبان اور ثقافت کو استعمال کرتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کی زبان' اس معاشرے کے تجربات کے ساتھ بڑھتی ہے اور پھیلتی ہے۔ اس زبان و ثقافت کے بغیر' ان تجربات سے خارجی دنیا کے حقائق کو کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس باب میں اللہ' انسان اور زندگی جیسے اہم حقائق پر گفتگو کی گئی ہے۔ اللہ کا علمِ محیطِ کُل' تقدیر اور قبولیت دعا مغربی عقل کے لیے باعث حیرت ہیں۔ ان امور پر جیفری نے تفصیلی کلام کیا ہے۔

تیسرے باب میں غیر مسلم کے قبولِ اسلام پر مترتب ہونے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ایک امریکی کے قبولِ اسلام کا فیصلہ کرنے میں کیا رکاوٹیں ہیں؟ یہاں ان چند مشکلات کو بیان کیا جاتا ہے جو اُسے تارکینِ وطن مسلمانوں کے حوالے سے پیش آتی ہیں:

۱- عربی دین: اسلام کو ایک ''عربی دین'' سمجھا جاتا ہے' یعنی امریکہ کے لیے غیر ملکی اور اجنبی۔ لہٰذا امریکی تہذیب کے لیے ناقابل قبول۔ یہ تاثر غلط ہے' اسلام عالمی پیغام ہے مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد عربی لباس پہننا ہوگا' عربی زبان بولنا ہوگی اور عربوں کی عادات و رسوم کو اپنانا پڑے گا۔

۲- ظاہر داری: نومسلم کے لیے یہ بات باعث تشویش ہوتی ہے کہ اسلام کے اعلیٰ اخلاقی اصولوں اور قدروں کو اپنانے جیسے بنیادی امور کے بجائے ظاہری باتوں اور شکل و صورت' مثلاً لباس کی وضع قطع' کھانا کھانے کے طریقے وغیرہ پر زور دیا جائے۔ مؤلف کے بقول: اگر ایک مسلم داعی' سادہ یورپی لباس پہن کر امریکہ میں لیکچر دیتا ہے تو وہ سنت رسولؐ سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرمؐ وہی لباس پہنتے تھے جو اس معاشرے کے مطابق ہوتا تھا' جس میں آپؐ زندگی بسر کر رہے تھے۔

۳- رابطے کا فقدان: نومسلم صرف مسلمانوں ہی سے سروکار رکھتے ہیں۔ یوں وہ غیرمسلموں سے بھرے ہوئے معاشرے سے اپنے رابطے تقریباً ختم کر لیتے ہیں۔ مسلمان مغرب میں اپنی ایک الگ دنیا آباد کر لیتے ہیں اور اپنے اردگرد کے ماحول سے کٹ جاتے ہیں۔ آپ کو بہت کم ایسے مسلمان ملیں گے جو روزنامہ یا ہفت روزہ پڑھتے یا مقامی خبروں کا بلیٹن سنتے ہوں۔ مقامی اور پبلک معاملات میں شرکت تو بہت دُور کی بات ہے۔

۴- خلط ملط: ایشیا اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ سے آنے والے بہت سے مسلمان اپنی مقامی ثقافتوں اور دینی احکام میں خلط ملط کر دیتے ہیں۔

۵- عورتوں کو ناپسند کرنے والا دین: امریکی سمجھتے ہیں کہ اسلام عورتوں سے نفرت کرنے والا دین ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اگرچہ مسلمان ملکوں کی ثقافت کو دیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے سے یہ تاثر اُبھرتا ہے۔ یہ تصور قبولِ اسلام میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ مؤلف کے الفاظ میں: ''میں عورت کے بارے میں، اسلامی شرعی قوانین کو، اسلام قبول کرنے کے بہت سے اہلِ مغرب شائقین کے لیے رکاوٹ نہیں سمجھتا مگر میرا یہ پختہ خیال ہے کہ عورتوں کے بارے میں مسلمانوں کا رویہ قبولِ اسلام میں حائل ہے''۔

۶- امریکہ مخالف تاثر: مؤلف نے ایک نہایت حسّاس مسئلے پر گفتگو کی ہے کہ کچھ مسلمانوں کا خیال ہے کہ غیراسلامی حکومتوں کا تختہ اُلٹ دینا چاہیے، حتیٰ کہ امریکہ کا بھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام قبول کر کے نومسلم امریکی، عام امریکیوں کی نظر میں ففتھ کالم میں شامل ہو جائیں گے کیونکہ وہ اپنے ہی وطن کے خلاف کام کریں گے۔ مؤلف نے نومسلموں کے پُرامن رویے پر کلام کرنے کے بجائے، مسلمانوں کی صفائی پیش کی ہے اور انھیں غداری، بدعہدی اور خیانت جیسے الزامات سے پاک قرار دیا ہے۔ وہ اس باب کے آخر میں لکھتا ہے: ''تاریخ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا دین اسلام ہے۔ اسلام مغرب میں بھی بہت تیزی سے پھیلا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کا اپنا معاشرہ بہت سے داخلی بحرانوں کا شکار ہے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی کا راز قرآن شریف جیسی عظیم کتابِ ہدایت ہے''۔

چوتھے باب میں مؤلف نے ارکانِ اسلام کے اسرار بہت خوب صورت پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ توحید، اذان، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے مسلمانوں کی زندگی پر پڑنے والے اثرات کا ذکر ہے۔ مؤلف نے اپنی زندگی میں پہلی نماز کیسے ادا کی، اس کے تاثرات بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اس نے اپنی تیسری بیٹی کی پیدایش کا استقبال کیسے کیا۔ موصوف نے اپنا سفرِ حج بھی ذوق وشوق سے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس پر حج کا راز بنگلہ دیش کے ایک نوجوان مسلمان نے کھولا تھا۔

پانچویں اور چھٹے باب میں مولف نے امریکی مسلمانوں کے مصائب و آلام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے' جونہی ایک سفید فام امریکی اسلام قبول کرتا ہے تو یہ ایک خبر ہوتی ہے جو ہر مسلمان تک پہنچتی ہے۔ مسلمانوں کے گروپ اس نومسلم کا خیرمقدم اس طرح کرتے ہیں جیسے کوئی فرشتہ ہو۔ وہ ہر جگہ مہمانِ خصوصی ہوتا ہے۔ اُسے ہیرو سمجھا جاتا ہے' کلبوں میں گفتگو کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے ''اُچکنے'' کی کوششیں شروع ہوجاتی ہیں۔ ہر فرقہ اور گروہ اسے اپنی طرف کھینچنے کے لیے زور آزمائی کرتا ہے۔ اس مقصد کی خاطر غیبت' وسوسہ اندازی اور دوسروں کو بدنما بنا کر پیش کرنے جیسے ہتھکنڈوں سے کام لیا جاتا ہے' جس سے یہ نومسلم ذہنی پراگندگی کا شکار ہونے لگتا ہے۔

آخری باب میں جیفری لکھتا ہے کہ اگر اسلام نے شمالی امریکہ میں زندہ رہنا اور پھیلنا ہے تو اس کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں:

۱- موجودہ امریکی مسلمانوں کے بچے بالغ ہوکر اسلام سے وارفتگی رکھیں اور پوری قوت کے ساتھ اسلام پر عمل کریں۔

۲- مسلمان معاشرہ متحد رہے' گروہوں میں نہ بٹے۔

۳- امریکی مسلم معاشرہ ایسے علماے دین تیار کرے جو آیندہ پیش آنے والے نئے مسائل کا خاطرخواہ اور ہر قسم کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکیں۔

مؤلف نے امریکی مسلمانوں کی دوسری نسل سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کرلی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہی لوگ امریکی معاشرے اور مسلمانوں کے عالمی معاشرے کے مابین پُل کا کام دیں گے اور اپنے ہم وطنوں کو اسلام کا پیغام صحیح تناظر میں پہنچا سکیں گے۔

پُرکشش اور دل چسپ اسلوب میں لکھی گئی' درمیانی سائز کے ۳۰۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک بار شروع کردی جائے تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ کتاب بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔ کتاب کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے۔

> میرا یقین ہے کہ چند عملی رکاوٹوں کے باوجود اسلام جلد ترقی کرے گا اور امریکہ میں خوب پھیلے گا۔ جس طرح میں قرآن شریف کے مطالعے کے بعد' اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوا ہوں' بے شمار اور لاتعداد امریکی اسی تجربے سے گزریں گے۔ جس وحی الٰہی نے مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لیا ہے' یقیناً لاکھوں دوسرے امریکی بھی اسی شیریں کیفیت سے ضرور سرشار ہوں گے۔ (ہفت روزہ المجتمع' ۵ اپریل ۲۰۰۲ء)